© rasailojaraid.com

پاکستان کی صورتحال لبنان کے تناظر میں

بریگیڈیر عثمان خالد
ریٹائرڈ بریگیڈیر پاکستان آرمی حال مقیم لندن

حال ہی میں بی بی سی پر ایک ٹیلی ویژن پروگرام (Pity the Nation) نشر کیا گیا۔ یہ پروگرام لبنان میں ہونے والے ان واقعات پر مبنی ہے جن کا شاہد اور راوی ایک امریکی صحافی چارلس گلاس Charles Glass, ہے جس کو ۱۹۸۷ء میں تھوڑی دیر کے لیے لبنان میں یرغمال بنا لیا گیا تھا، اس کی کہی ہوئی ایک بات مشرقِ وسطیٰ کے ممالک کے سیاسی نظام کی خصوصیات متعین کرنے والے ایک عامل کی حیثیت میں مجھے بہت اہم لگی۔ اس نے کہا کہ فرقہ وارانہ راہنماؤں نے لبنان میں اپنے آپ کو مضبوط کیا ہے اور حکومت کو کمزور رہنے دیا ہے۔ عوام جب مشکل میں ہوتے ہیں تو اپنے فرقوں کے رہنما کی طرف دیکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس سے واضح ہے کہ فرقوں کے یہ رہنما حکومت وقت کو مؤثر طور پر چیلنج کرنے میں اتنے بے لگام اور اس قدر کامیاب کیوں رہے ہیں۔

لبنان میں جیسے ہی قومی فرقہ داریت شکست و ریخت سے دوچار ہوئی فرقوں کے رہنما اپنی ملیشیا قائم کرنے، محصول جمع کرنے اور حکومت کی دیگر خصوصیات حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔ تاہم وہ اپنا اختیار جتانے اور انصاف مہیا کرنے کے لیے کوئی قانونی ڈھانچہ نہ بنا سکے۔ اس کے لیے انہیں طاقت استعمال کرنا پڑی۔ اس نے ایک Catch 22 صورت حال پیدا کر دی یہ خانہ جنگی، ایک دنگی اور تنازعہ کی وجہ بھی تھی اور اس کا نتیجہ بھی۔

وہ سبب جس نے بحران میں تیزی پیدا کی بڑی تعداد میں فلسطینی مہاجرین کی لبنان کے شہروں اور قصبوں میں موجودگی اور اس سے لبنانیوں کی سیاسی طور پر نمٹنے کی عدم صلاحیت تھی۔ فلسطینی اس جاگیردارانہ اتحادِ عمل کی حدود سے خارج تھے جن پر لبنانی دستور استوار تھا۔ مارونی حکومت غریب لبنانی مسلمانوں کی معاشی و سماجی آرزوؤں اور فلسطینیوں کے سیاسی مقاصد سے ہمدردی نہیں رکھتی تھی۔ اسی طرح پاکستان میں بھی اردو بولنے والے مہاجرین سماجی عدم استحکام کا باعث رہے ہیں۔ سندھ کے دو بڑے شہروں میں ان مہاجرین کی اکثریت اور پھر افغان مہاجرین کی آمد ایسے مسائل ہیں جنہیں حال ہی میں سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔

ظاہر شاہ کے تحت افغانستان 'جاگیردارانہ اتحادِ عمل' پر استوار ایک ریاست تھی مشاورتی ادارہ لوئی جرگہ جو کہ افغانستان میں پارلیمنٹ کے مساوی گردانا جاتا تھا۔ قبیلوں کے سرداروں اور بزرگوں پر مشتمل تھا جو کہ منتخب نہیں ہوتے تھے قانون اور حب الوطنی کے جذبات کی بالادستی کے بجائے قبیلوں کا سماجی نظم و ضبط، سیاسی استحکام کی بنیاد تھا۔ لیکن افغانی معاشرہ ایسا معاشرہ رہا ہے جو سماجی مساوات پر مبنی ہے۔ جہاں کہ جرأت مند اور باکردار ہونے کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ یہاں پر مرد کو جبراً فوجی تربیت دی جاتی تھی۔ قبیلوں کے درمیان جنگیں عام تھیں اور نیم فوجی ڈھانچہ بنانے کے لیے تنظیم اور قیادت پہلے ہی موجود تھی۔ جو بات ان میں موجود نہ تھی وہ ایک مشترکہ مقصد تھا، اور روسی فوجوں کے آنے سے یہ مشترکہ محاذ بھی انہیں مل گیا اور صاف نظر آنے لگا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

ایک جاگیردارانہ ریاست جیسے افغانستان اور لبنان، اتحادِ عمل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی، اور ایک جاگیردارانہ ریاستی ڈھانچے کا نتیجہ غربت اور جبر ہوتے ہیں۔ اور یہ نظام صنعتی ترقی کی اولین منزل پر متروک قرار دے دیا جاتا ہے۔ پچھلے دو سو برس کے دوران تمام بڑے انقلاب مثلاً ۱۷۸۹ء کا فرانسیسی انقلاب اور ۱۹۷۹ء کا ایرانی انقلاب، اسی وجہ سے آئے کہ ریاست اپنے جاگیردارانہ ڈھانچہ کی اصلاح کرنے میں مزاحم تھی۔ لیکن تیسری دنیا کے ایک ملک میں اس کے بالکل الٹ ہوا۔ کہ وہ ملک جو کہ اپنی سماجی و معاشی زندگی میں تبدیلی لانا چاہتا تھا اس کے جاگیردارانہ ریاستی ڈھانچے کے گرنے سے ان پر ایک دائمی ہلاکت خیز جنگ کا خطرہ منڈلانے لگا ہے۔

یہ ضروری ہے کہ جاگیردارانہ ریاست اور جاگیردارانہ معاشرے میں فرق کو سمجھا جائے۔ پاکستان کا ریاستی ڈھانچہ جاگیردارانہ نہیں رہا لیکن پاکستانی معاشرے کی اقدار جاگیردارانہ ہیں۔ تاہم جاگیردارانہ مزاج پاکستان کے مختلف حصوں میں مختلف ہے۔ ہر صوبے کی علیحدہ جاگیردارانہ روایت ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ پاکستان میں صوبوں کی تقسیم قوموں کی بنیاد کے بجائے جاگیردارانہ روایت کی بنیاد پر استوار ہوئی ہے۔

صوبہ سرحد اور شمالی بلوچستان میں زمین کے بجائے لوگوں سے وفاداری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ زمین افراد کی انفرادی ملکیت ہوتی ہے۔ قبیلے کی حیثیت ایک خاندان کی توسیع شدہ شکل ہے اور توازن برقرار رکھنے کے لیے تشدد کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ معاشرہ سماجی مساوات پر مبنی ہے جبر اگر ہوتا ہے تو کنایتہ اور بلا واسطہ ہوتا ہے۔ تاہم قبائل کے درمیان چپقلش عام ہوتی ہے۔ وہاں قبائلی تنازعے ختم کرانے کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لیے جاگیردارانہ اتحادِ عمل اور سیاسی اتحادِ عمل، دونوں طرز کے حل کے حامی نمائندوں کے طرفدار موجود ہیں۔ تاہم 'سیاسی حل' کے طرف دار 'جاگیردارانہ حل' کے حامی نمائندوں سے زیادہ ہیں۔ صوبہ سرحد کا معاشرہ سیاسی طور پر پاکستان میں سب سے زیادہ آگے ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہاں کی موجودہ حکومت سیاسی اتحادِ عمل کی بجائے جاگیردارانہ اتحادِ عمل پر مبنی ہے۔ وہاں پر اے۔ این۔ پی کے ساتھ پیپلز پارٹی کا الحاق پیپلز پارٹی پر بوجھ بنا ہوا ہے اور زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا۔ اے این پی کے ساتھ مل کر چلنے میں دشواری کی ایک وجہ اس کی دورنگی ہے۔ یہ افغانستان میں 'سیاسی اتحادِ عمل' کی حمایت کرتی ہے اور پاکستان میں سیاست کی بنیاد کے طور پر 'جاگیردارانہ اتحادِ عمل' کو فروغ دینا چاہتی ہے۔

بلوچستان کے زیادہ تر حصوں میں، خاص کر وہ ریاستیں جو برطانوی حکومت کے زیرِ انتظام رہی ہیں، زمین کو قبائلی سرداروں کی ملکیت سمجھا جاتا ہے اور لوگوں پر سرداروں کو مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے۔ بلوچستان پاکستان کا غالباً واحد علاقہ ہے جہاں اب بھی جاگیردارانہ ریاستی ڈھانچہ موجود ہے۔ یہاں سوائے اس کے کہ کسی قبیلے کے روشن خیال سرداروں نے اپنا قومی تشخص ابھارنے کے لیے قومی نقطۂ نظر کو فروغ دیا ہو، کبھی کسی قومی سیاسی پارٹی نے کامیابی حاصل نہیں کی۔ بلوچستان کی تمام مستحکم حکومتوں کی بنیاد 'جاگیردارانہ اتحادِ عمل' رہا ہے۔ ہر دفعہ جب اتحادِ عمل کا شیرازہ بکھرا تو مرکزی حکومت کو مداخلت کر کے نئے سرے سے اس اتحادِ عمل کی بنیاد رکھنا پڑی۔ بلوچستان کی موجودہ حکومت بھی جاگیردارانہ اتحادِ عمل پر کھڑی ہے اور سر دست سیاسی استحکام حاصل کرنے اور سماجی اور معاشی اصلاحات نافذ کرنے کے لیے کوئی متبادل نظام موجود نہیں ہے۔

پنجاب اور سندھ کے شہری اور دیہاتی معاشرے مختلف طریقے سے پنپتے رہے ہیں۔ آزادی سے پہلے شہری لوگ مذہبی قسم کے تھے لیکن اب وہ سماجی اور معاشی پروگرام کو اہمیت دیتے ہیں۔ کسی سیاسی پارٹی کی ہر دلعزیزی اس کے سربراہ کی شخصیت، اس میں قومی اتحاد، سماجی توازن اور ملک کے دفاع کو مضبوط کرنے کی صلاحیت پر مبنی ہوتی ہے۔ پنجاب اور سندھ کے دیہی علاقوں میں آزادی سے پیشتر لوگ قبائل کی بنیاد پر نہیں رہتے تھے۔ بلکہ یہ ملی جلی قوموں، ذاتوں اور گوتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اور یہاں سماجی رتبے کی کسوٹی دولت ہی بنتی ہے۔ جتنی زیادہ زمین کا مالک کوئی شخص ہوگا اتنا ہی بڑا اس کا رتبہ ہوگا۔ تاہم ان دو صوبوں میں جاگیردار پیدائشی طور پر سردار نہیں ہوتے بلکہ انہیں مقدموں اور خونی فسادات پر دولت خرچ کر کے اپنے آپ کو منوانا پڑتا ہے۔

پنجاب میں بالخصوص جھگڑے فساد اور مقدمے زندگی کے معمولات ہیں۔ یہاں ذات برادری کا جال اتنا پیچیدہ اور متنوع رہا ہے کہ اس کو صرف 'سیاسی اتحادِ عمل' ہی سے مستحکم بنایا جا سکتا تھا۔ اس کا مزید فائدہ یہ رہا کہ شہری آبادی بھی سماجی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اپنا کردار ادا کر سکتی تھی۔ چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ پنجاب، صوبہ سرحد اور سندھ میں آزادی سے پہلے بھی جدید جمہوری سیاست کی بنیاد موجود تھی۔ اب بھی حالات تبدیل نہیں ہوئے اور وہ لوگ جو 'جاگیردارانہ اتحادِ عمل' کو سیاسی قوت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، بہت بڑھ گئے ہیں۔

ذات برادری کی دشمنیاں پنجاب اور سندھ کی دیہی زندگی کی امتیازی خصوصیت ہے اور بہت سے جھگڑوں اور انتقامی کارروائیوں کا نتیجہ ڈاکے، اغوا اور قتل کی شکل میں ملتا ہے۔ دیہی علاقوں میں جرائم زندگی کے معمولات میں شامل ہیں۔ زیادہ زمین کے مالک افراد کو غاصب جاگیردار بننے کے لیے صرف تھوڑی سی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ سے خصوصاً پنجاب میں جاگیرداری نظام کا ایک یک رخہ خوفناک تصور قائم ہو گیا ہے۔ چونکہ یہ غاصب باعزت نہیں کہلا سکتے۔ اس لیے یہ ان لوگوں کا جو عزت دار ہوتے ہیں مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان کی قوت جرم اور دہشت گردی پر مبنی ہوتی ہے اس لیے ریاست کے قانونی نظم و ضبط اور ڈھانچے کو رشوت دہی یا کسی اور طریقے سے زیرِ اثر لانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جیل جانے سے بچ سکیں۔ پنجاب میں سیاست نوکر شاہی پر ٹھگوں کی بالادستی حاصل کرنے کی کوشش بن کر رہ گئی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ نظام جو لوگوں کے پیسے سے ان کو جرائم کے خلاف تحفظ دینے کے لیے بنایا گیا ہے اس کی باگ ڈور مجرموں کے ہاتھوں میں ہے اور وہ نظام خود جرائم کے ہاتھوں کا کھلونا بن گیا ہے۔ پنجاب کی موجودہ حکومت کا ہیرو اور مرشد جنرل ضیاء۔ قانون کی نظر میں ایک مجرم تھا (آئین پاکستان کی دفعہ ۶) پنجاب کے علاوہ جنرل ضیاء کی موروثہ حکمت عملی باقی تمام صوبوں میں رد کر دی گئی اور یہی پنجاب کی رجعت پسندی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس صوبے میں جرائم اور مجرم باعزت گردانے جاتے ہیں۔ ضیاء کا سب سے بڑا سیاسی ترکہ یہ ہے کہ یہاں اب سیاست میں ایک تو مجرموں کی اجارہ داری ہے اور دوسری طرف جاگیرداروں کی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنرل ضیا ہر تین چار برس بعد اپنی طاقت کی بنیادیں تبدیل کرتا رہتا۔ ایک دور سے دوسرے دور میں وہی لوگ لے جائے جاتے جو اس کے بااعتماد ساتھی ہوتے۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے ایسے طرف دار پیدا کر لیے جو اس کی امداد کے بغیر عوام کے غیظ و غضب سے بچ نہ سکتے تھے۔ جونیجو حکومت کو موقوف کرنے کے بعد اس کا کوئی ساتھی نہ رہا تھا۔ حتیٰ کہ سندھ اور بلوچستان میں حکومت کا کاروبار چلانے والا کوئی نہ تھا۔ صوبہ پنجاب اور سرحد میں البتہ اسے ایسے ساتھی مل گئے تھے جنہیں اس نے وزیر اعلیٰ مقرر کر دیا تھا۔

سندھ کا دیہی معاشرہ پنجاب جیسا نہیں۔ سندھ کے کچھ علاقوں میں قبائلی وفاداریاں ابھی تک معاشرتی توازن برقرار رکھنے کا سبب بنتی ہیں۔ جہاں جہاں حالات ایسے ہیں وہاں جاگیرداری زیادہ قابلِ قبول اور فائدہ مند ہے۔ لیکن قبائلی دشمنیاں ایک مقبول سیاسی حکومت اور معاشرتی توازن برقرار رکھنے کے لیے جاگیردارانہ اتحادِ عمل کو بنیادی حیثیت دینے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ سندھ کے دو سب سے بڑے شہروں میں مہاجروں کی اکثریت صورتِ حال کو مزید پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ ضیا حکومت نے جب سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا تو جاگیردارانہ سازشی ماحول کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ جاگیردارانہ نظام کے حامیوں کو جب یہ احساس ہوا کہ وہ سندھ کی تمام دیہی آبادی کو اپنا حامی نہیں بنا سکتے جب تک کہ مہاجر ایک مخالف محاذ پر اکٹھے ہو کر ایک مہاجر برادری نہ بنا لیں۔ اسی لیے مہاجر قومی محاذ (ایم کیو ایم) کو وجود میں لانے کے لیے سندھی جاگیرداروں نے اس تحریک کی امداد اور حوصلہ افزائی کی۔

مہاجر قومی محاذ کو تشکیل دینے کے مقاصد پورے ہو چکے ہیں۔ اب سندھ دو قبائل میں بٹ چکا ہے۔ بالکل لبنان کے انداز میں۔ الطاف حسین ایم کیو ایم کے سربراہ کا طرزِ عمل ایسا ہے جیسے وہ حکومت میں شامل قائدین سے بڑے رتبے کا ایک گروہی قائد ہے۔ یہ سندھ کی خوش قسمتی ہے کہ پی پی پی جس نے صوبہ کی تقریباً تمام دیہی سیٹیں جیت لیں۔ سیاسیات کی بنیاد 'سیاسی اتحادِ عمل' کو سمجھتی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ سندھ کے بڑے شہروں نے انتخابات میں قبائلی وفاداری کو مدِ نظر رکھا جبکہ دیہی علاقوں نے ووٹ دیتے ہوئے زیادہ بالغ نظری کا ثبوت دیا۔ چنانچہ اس صوبے میں جہاں کہ شہری آبادی کی اکثریت تھی، جاگیردارانہ نظام کی حکومت قائم ہو گئی۔ ایم کیو ایم کے قائد کو غالباً یہ احساس نہیں کہ ان کی محاذ آرائی خود ان کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ ایم کیو ایم کے لیے لاقانونیت بھی فائدہ مند ہے لیکن امن و امان مہاجرین کے لیے، جن کے وہ نمائندے ہیں اور جن کے مفاد کے لیے وہ کام کر رہے ہیں، زیادہ فائدہ مند ہے۔

برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی، جس نے ہندوستان کو فتح کیا، ایک تجارتی کمپنی تھی اسے مغلوں کے متروکہ ریاستی ڈھانچے سے، جس سے ان کا واسطہ پڑا، کوئی لگاؤ نہ تھا۔ مغل حکومت نے اپنے فوجی نظام کو جاگیرداری نظام میں ضم کر دیا تھا۔ انگریزوں نے جن جن علاقوں کو فتح کیا وہاں وہاں ان دونوں کو علیحدہ کر دیا۔ تاہم انہوں نے زمین کے مالکانہ حقوق دینے کا طریقہ کار فوری طور پر تبدیل نہ کیا۔ انہوں نے اس کو بہتر بنانے میں کچھ وقت لگایا اور اسے مختلف مذاہب اور قوموں کے درمیان طاقت کے توازن کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کے لیے استعمال کیا۔ طاقت کے تین منبعوں ہتھیار، زمین اور عوام کی وفاداری میں سے انگریزوں نے صرف ہتھیاروں پر اجارہ داری حاصل کرنے کی کوشش کی۔

نیا ریاستی ڈھانچہ جاگیردارانہ نظام پر مشتمل تھا۔ یہ جاگیردار اپنی رعایا کی وفاداریوں کے ضامن تھے اور اس کے بدلے میں پوری جاگیر کے تنہا مالک، فوج کا کام جاگیرداروں کو حکومت کا تابع بنانا تھا۔ یوں تو برطانوی سلطنت کو چلانے کے لیے کئی ادارے بنائے گئے لیکن ہندوستانی فوج برطانوی سلطنت کی قوت کا منبع اور نشان تھی۔ فوجی افسران کی سماجی حیثیت بلند ترین تھی۔ جو اعلیٰ ترین اعزازات ریاستی حکمرانوں، اعلیٰ حکومتی ملازمین، یا سلطنت کی نمایاں خدمات کرنے والوں کو دیئے جاتے تھے۔ وہ فوج میں اعزازی طور پر دے دیئے جاتے تھے۔

یہ بات خاص طور پر قابلِ غور تھی کہ انگریز فوجی افسروں کی ایک ایسی نئی حکمران جماعت پیدا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو کہ موروثی حکمرانوں سے افضل سمجھی جانے لگی تھی۔ ہم اب تک اس اصول کو نہیں سمجھ سکے کہ پاکستان میں دو طاقتیں حکمران ہیں، فوج اور زمیندار۔ جبکہ دوسرے سماجی طبقے سیاست میں بنیادی طور پر امیر بننے کے لیے شامل ہوتے ہیں اور صرف یہی دو طبقے سیاست کو اپنا فرض اور حق سمجھتے ہیں۔

تمام مسلم ممالک میں فوجی ٹولہ ایک متبادل طاقت کے طور پر ہمیشہ موجود رہا ہے۔ مراکش سے انڈونیشیا تک، ان سب ممالک کی حکومتیں یا تو جاگیردارانہ نظام کے تحت ہیں (جزیرہ نمائے عرب) یا انہیں فوجی حمایت حاصل ہے۔ تاہم سماجی ارتقاء نے رفتہ رفتہ ترکی، ایران اور پاکستان پر جاگیردارانہ نظام کے اثرات کو کمزور کر دیا ہے، حصولِ اقتدار کے لیے فوجی پشت پناہی حاصل کرنے کے رسوائے زمانہ رجحانات کو یہاں کئی بار برتا گیا ہے۔ ان ممالک میں حصولِ اقتدار کے لیے 'سیاسی اتحادِ عمل' اور انتخابات کے علاوہ رائے عامہ حاصل کرنے کا کوئی متبادل ذریعہ نہیں۔

پاکستان کے عوام جاگیرداروں اور فوجی جرنیلوں کے حکومت کرنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدائی اختیارات کو کسی صورت ماننے کو تیار نہیں۔ زبردستی حکومت پر قبضہ جمانے کے بعد، فوجی آمر چند گنے چنے جاگیرداروں یا فرقہ پرست دھڑوں، جن کو انتخابات کے ذریعے کبھی بھی عوامی حمایت حاصل نہیں ہو سکتی، کو ساتھ ملا لیتے ہیں۔ جنرل ضیاء کی حمایت حاصل کرکے دو ہی دھڑے ایسے تھے جو حکومت میں شامل ہو سکتے تھے۔ ایک تو شریف جاگیرداروں کا ایک گروہ مسلم لیگ کا ایک حصہ، جن کا سربراہ ماضی قریب تک پیر پگاڑا تھا۔ اور دوسرا دھڑا غیر جمہوریت پسند جماعت یعنی جماعت اسلامی کا۔

شریف جاگیرداروں کے پاس ضیاء حکومت کا مقابلہ کرنے کا دم خم نہ تھا جو بالآخر جنرل ضیاء کی خواہش کے مطابق ایک قانون شکن حکومت کا سربراہ بننے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ اس آمر کو جماعت اسلامی کی حمایت حاصل کرنا پڑی۔ کیونکہ یہ ایک ایسی جماعت تھی جو کہ اس قابل بھی تھی اور اس کی خواہش بھی یہی تھی کہ وہ ضیاء کے حکومتی ٹولہ کو تقویت پہنچانے کی کوشش میں فسطائی ہتھکنڈے استعمال کرے۔ جماعت اسلامی حصول طاقت کے لیے ایک ایسے اتحاد عمل کا پرچار کرتی ہے جو جاگیرداری نظام پر مبنی ہے اور اس کو فرقہ پرستی بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان کا طرز سیاست مذہبی سوجھ بوجھ کی بجائے مذہبی اعتقادات پر زور دیتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں نفاق پیدا کرکے اسلام کی خدمت کرتے ہیں۔ ۱۹۸۸ء کے انتخابات کرانے کے لیے جنرل ضیاء نے جو محاذ بنایا چونکہ اس کا مقصد اسلام اور جمہوریت دونوں کی بیخ کنی کرنا تھا اس لیے اس کا نام اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) رکھا گیا۔

اگر جنرل ضیاء زندہ رہتا تو وہ نومبر ۱۹۸۸ء کے انتخابات کرواتا ہی نہ یا پھر ان میں آئی جے آئی کی جیت کو یقینی بنانے کے لیے دھاندلی کرواتا۔ جنرل ضیاء نے اپنے خلاف چلائی گئی جمہوریت کی تحریک کا رخ موڑنے کے لیے خود کو اسلام کا مجاہد بنا لیا، وہی حربہ جو جماعت اسلامی اتنے عرصے سے استعمال کرتی آئی تھی۔ اس کا یہ منصوبہ نیم دلی سے لاگو کیا گیا کیونکہ اس کی اپنی انتظامیہ میں کچھ دوررس افراد جانتے تھے کہ فی الوقت سندھ میں نسلی فسادات کا خوف سب سے بڑا مسئلہ تھا اور وہ تنازعہ اس مقام پر تھا کہ کسی بھی وقت پاکستان کے مرکزی اتحاد کو پارہ پارہ کر سکتا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ پی پی پی کی سندھ میں شاندار فتح نے اس خطرے کو ٹال دیا ہے لیکن آئی جے آئی دوبارہ اسلام کی خاطر جنگ لڑنے پر برسرپیکار ہے۔

پی پی پی کے دو متحدہ ساتھی ایم کیو ایم اور اے این پی (یہ مضمون صوبہ سرحد میں اتحاد ٹوٹنے سے پہلے لکھا گیا تھا۔ ایڈیٹر) دراصل سیاسی جماعتیں نہیں بلکہ سیاسی گروہ ہیں۔ ایم کیو ایم کوئی قومی حلقۂ انتخاب ہے نہ ہی کوئی قومی پروگرام ہے، یہ صرف مہاجروں کی واحد نمائندہ بننے کی خواہشمند ہے۔ اسی طرح اے این پی پٹھانوں کی واحد نمائندہ بننا چاہتی ہے۔ دونوں دھڑے معاشرے کو اس سیاسی و سماجی مقام سے پیچھے دھکیلنے کے لیے کوشاں ہیں جو اس نے پچھلے دو سو برس میں حاصل کیا ہے۔ وہ فرقہ پرست جماعتیں اور دوسرے فسطائی گروہ جو آئی جے آئی کا اثاثہ ہیں، اس اتحاد میں ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں۔ اپنے اتحادیوں کے زیر اثر، پی پی پی پر یہ دباؤ سخت ہو رہا ہے کہ وہ 'سیاسی اتحاد عمل' کے بجائے 'جاگیردارانہ اتحاد عمل' کی طرف اپنا رخ موڑے۔ اس کے ساتھ ساتھ آئی جے آئی بھی، باوجودیکہ مسلم لیگ اس کی مرکزی جماعت ہے (جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے لیے سیاسی اتحاد عمل، کا اصول متعارف کروایا تھا) اس جمہوری اصول سے منحرف ہو رہی ہے۔ اس نے فوجی حمایت کو حصول اقتدار کے لیے بنیادی ذریعے کے طور پر استعمال کرنے کو فوقیت دی ہے۔

اگر دونوں جماعتیں اصلی مشترکہ سیاسی تربیت کے اصول، یعنی حصول اقتدار کے لیے 'سیاسی اتحاد عمل' کی کوشش کو چھوڑ دیں تو جنرل ضیاء کا سیاسی ترکہ اس سے زیادہ موثر نظر آنے لگا جتنا کہ یہ آج کل نظر آتا ہے۔

مرکزی حکومت اپنے دونوں محاذوں پر امن و امان کی صورت حال سے دوچار ہے یعنی ہندوستان اور افغانستان کے ساتھ۔ کوئی محب وطن پاکستان میں خانہ جنگی کرا کے مرکزی حکومت کے لیے مزید مسائل کھڑے کرنا نہیں چاہے گا۔ لیکن یہی وہ کام ہے جس کی منصوبہ بندی آئی جے آئی فی الوقت کر رہی ہے۔ ایک سیاسی حکومت کا سب سے بڑا ہتھیار اس کے عوام ہوتے ہیں۔ آئی جے آئی کو غور کرنا چاہیئے کہ (اختر عبدالرحمن کو چھوڑ کر) کسی بھی فوجی جنرل نے جنرل رحیم الدین کے ساتھ اس کے رشتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے، ضیاء کا ساتھ نہ دیا تھا۔ اگر فوج قانون اور آئین کو توڑتی ہے تو یہ سب کچھ وہ اپنی فہم و فراست کے مطابق کرے گی، نواز شریف اور جماعت اسلامی کے کہنے پر نہیں۔

پی پی پی کی دو طرفہ مشکل یہ ہے کہ ایک طرف تو اسے جاگیرداروں کے نمائندوں سے اتحاد کرنا پڑ رہا ہے تاکہ مقننہ میں اکثریت حاصل کر سکے اور دوسری طرف اسے اپنے سیاسی و جمہوری مقام کو بھی قائم رکھنا ہے تاکہ وہ پنجاب میں مستقبل میں اکثریت حاصل کر سکے۔ پی پی پی کے مخالفین کی حکمت عملی یہ ہے کہ وہ اس کے اتحادیوں کو یہ یقین دلائیں کہ ہم بھی عوام میں پی پی پی جتنا اور اس جیسا ہی اثر رکھتے ہیں۔

امن و ہم آہنگی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات خوش آئند سمجھی گئی کہ دو قومی جماعتیں، جو کہ حصول اقتدار کے لیے 'سیاسی اتحاد عمل' پر یقین رکھتی تھیں۔ اکثریت سے کامیاب ہو گئی تھیں۔ مگر آئی جے آئی مسلم لیگ سے، جو کہ اس کی سب سے بڑی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت سمجھی جاتی ہے، مختلف نکلی۔ آئی جے آئی اس قسم کی صوبائی خودمختاری کے لیے اودھڑ بُن کرتی رہی ہے جس کا طالب شیخ مجیب الرحمٰن تھا۔ یہ بھی شیخ مجیب ہی کے ہتھکنڈے مثلاً دھمکیاں اور گالیاں، استعمال کرتی رہی ہے۔ تاہم یہ عوامی لیگ سے ایک لحاظ سے مختلف ہے کہ اس کو اپنے سیاسی اقتدار کے لیے فوجی پشت پناہی اور اس کی تصدیق حاصل ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح پاکستان کی سیاست میں فوجی عمل دخل کی نوعیت بدل گئی ہے۔

لبنان کی صورت حال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر آبادی فرقوں، قبائل اور نسلی گروہوں میں منقسم ہے اور ملک کی بجائے گروہی مفادات کو فوقیت دی جاتی ہو تو سیاست کی بنیاد عوام کی بجائے قائدین کے 'اتحادِ عمل' پر رکھنی پڑتی ہے۔ پھر جب قائدین ناکام ہو جاتے ہیں تو ملک میں ایک متواتر خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں، ایک قومی ریاست کے طور پر، سیاست کا آغاز بڑا مشکوک تھا کیونکہ اس کے لیے جدوجہد کی بنیاد 'سیاسی اتحادِ عمل' رہا تھا۔ ذات، نسل، قبیلہ، زبان اور گروہی شناخت سب قومی شناخت کے ماتحت تھے۔ وقت کے ساتھ ان علاقوں نے بھی، جہاں قبائلی اور جاگیردارانہ نظام کی وفاداریاں بہت مضبوط ہیں، 'سیاسی اتحادِ عمل' کی خوبیوں کو سراہنا شروع کر دیا ہے، لیکن نسلی امتیازات کے شعور کو مزید ہوا ملی ہے۔ اس وقت مہاجرین سیاسی طاقت اور قوت حاصل کرنے کی کنجی گروہی وفاداری کو سمجھتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں، یہ ایک ردِعمل ہے جو کہیں اور نسلی گروہوں کی تشکیل کے بعد ہوا، اور یہ کوئی اٹل تبدیلی نہیں۔

صوبائی خودمختاری کے نام پر ایک زیادہ خطرناک نسلی گروہ بندی کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ 'علیحدگی پسند' اور 'فرقہ پرست' سیاسی ماحول میں مکمل تبدیلی لانے کے خواہشمند ہیں۔ ہمارے نسل پرست نسل پرستی کو اور فرقہ پرست پارٹیاں مذہبی اعتقادات کو ہماری بطور مسلمان قومی شناخت اور جذبہ حب الوطنی سے بلند مرتبہ دینے کی حامی ہیں۔ ہمیں 'سیاسی اتحادِ عمل' کے بجائے افغان طرز کی جاگیردارانہ سیاست یا لبنان طرز کی نسل پرست سیاست کے حامی بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہر دو طریقوں میں نتیجہ موجودہ سماجی ڈھانچے کی، جس نے صدیوں ہندوستانی مسلمانوں کو مضبوط اور متحد کرنے میں ان کی مدد کی، تباہی کی شکل میں نکلے گا۔

قائداعظم نے پاکستان کی جنگ اس اصول پر لڑی کہ مسلمان ایک قوم ہیں، اب وہی مسلم لیگ، ایک فوجی آمر کے ہاتھوں اغوا ہو کر، مرکزی حکومت کے خلاف سازشیں کر رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مرکزی حکومت کے اختیارات زیادہ ہیں تو دولت کے عوام اور حکومت کے درمیان گردش کرنے کے بہتر امکانات ہیں۔ اس طرح سماجی اور معاشی ترقی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور عوام مقابلے اور تدریجی معیشت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے وہ نہ صرف پاکستان میں بلکہ پورے مسلم ایشیا میں روزگار کے مواقع کی تلاش میں بلا روک ٹوک سفر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر علیحدگی پسندوں کی خواہشات کی تکمیل ہو گئی تو ہمیں لاہور جانے کے لیے بھی ویزے کی ضرورت ہو گی۔

پاکستان میں پی پی پی ہی وہ واحد پارٹی ہے جو حصول اقتدار کے لیے صرف 'سیاسی اتحادِ عمل' کو جائز سمجھتی ہے۔ سیاسی اتحادِ عمل کے ارتقاء کے لیے تمام صوبوں میں اپنے طرفداروں کے ایک بہت بڑے حلقہ کی ضرورت ہے جہاں سوائے سماجی و سیاسی ترقی کی خواہش کے علاوہ کوئی اور لالچ نہ ہو۔ پی پی پی نے دوسرے نقطۂ ہائے نظر کو اہمیت دینے کی خواہش اور قابلیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کو یہ بھی احساس ہے کہ مصالحانہ رویہ جمہوری سیاست کا ضروری جزو ہے۔ جب ایک جماعت مقننہ میں پوری اکثریت حاصل نہیں کر سکتی تو وہ دوسری جماعتوں کے ساتھ الحاق کرنے کی حق دار ہوتی ہے لیکن اپنے حلقہ انتخاب کی وفاداریاں ساتھ رکھنے کی خاطر ایک جماعت کو چاہیے کہ وہ انہیں بتلائے کہ اگر اس پر الحاق کرنے والی پارٹیوں کا دباؤ نہ ہوتا تو وہ کیا کچھ کرنے کی خواہش مند تھی۔

پی پی پی کی قائد نے دوراندیشی اور فراست سے کام لیتے ہوئے ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں ایم آر ڈی سے الحاق نہ کیا۔ انہوں نے براہ راست عوام سے اقتدار کا حق مانگنے کا زیادہ خطرناک لیکن منصفانہ راستہ اختیار کیا۔ دوسری طرف مسلم لیگ نے، باوجودیکہ وہ حکمران جماعت تھی، سیاسی الحاق کر کے لوگوں پر یہ ظاہر کر دیا کہ اسے معلوم تھا کہ وہ عوام کے ووٹ حاصل نہ کر سکے گی۔ وہ کسی قسم کے اصولوں پر چلنے سے انحراف کر رہی تھی۔ ایک پنجابی کی حیثیت سے یہ سوچ کر مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کہ دوسرے صوبوں نے اس کے حیلوں بہانوں کو تاڑ لیا جبکہ پنجاب نہ سمجھ سکا۔

پاکستان لبنان نہیں بنے گا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اب ہمارے ہاں منتخب اسمبلیاں، جو کہ عوامی رائے معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں، وجود میں آ چکی ہیں۔ لیکن جمہوری نظام پر ابھی خطرات منڈلا رہے ہیں۔ جمہوری نظام کو ان لوگوں کے ہاتھوں خطرہ ہے جنہوں نے گیارہ سال تک جبراً حکومت پر قبضہ کرنے والوں کے ساتھ مل کر عیش و عشرت میں حصہ لیا۔ لیکن خوش قسمتی سے پاکستان میں کوئی جاگیردار یا فوجی افسر ایسا نہیں جو قانون یا جائز منتخبہ حکومت سے باہر رہ کر حکومت

بقیہ صفحہ ۱۶ پر

© rasailojaraid.com